ایسی نہیں جس میں انسان بے بس ہو۔ اس کے اخلاقیات اور معاملات میں کسی رنگ و نسل، علاقے کی تمیز نہیں ایسا عادلانہ اور مساویانہ نظام جو محمود و ایاز کو ایک صف میں لا کھڑا کرے۔ اس میں تارک دنیا ہونا کوئی فضیلت نہیں رکھتا اور طالب دنیا ہونا بھی مستحسن نہیں؟ اسلام نے امت محمد ﷺ کو امت وسط کہا: و کذالک جعلنکم امۃ وسطا ...... الایۃ

اسلام نے زندگی گزارنے کا نہایت متوازن اسلوب دیا ہے۔ اور اس کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ مثالی نمونہ ہیں۔ آپ سے بڑھ کر نیکی طہارت بزرگی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ پیغمبرانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ کا تعلق اپنے خاندان اور قبیلہ سے بھی تھا۔ آپ نے شادیاں بھی کیں، آپ کے مراسم برادرانہ بھی تھے اور دوستانہ بھی۔ آپ صاحب قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران بھی تھے۔ آپ تہجد گزار اور صائم ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد اور سالار بھی تھے۔ ایسی منصفانہ زندگی جس میں دنیاوی امور اور معاملات شامل تھے اور للّٰہیت اور خلوص پر مبنی دینی تقاضے بھی! آپ نے بھی یہ تلقین نہیں کی کہ کوئی دنیا سے کنارہ کشی کر کے نفس کشی پر لگ جائے بلکہ فرمایا: النکاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني۔ شادی اور خاندان کی ذمہ داری کو اپنی سنت قرار دیا یہی باعث ہے کہ صحابہ کرام جو دبستان نبوت کے اولین پھول تھے۔ جنہوں نے براہ راست نبوت کے چراغ سے روشنی پائی۔ اور اپنی آنکھوں سے پیارے پیغمبر ﷺ کی سیرت ملاحظہ کی۔ ان میں کسی ایک کی بھی مثال ایسی نہیں ملتی جنہوں نے دنیا سے کنارہ کشی کر کے حرم نبوی کے کسی کونے میں چلہ کشی کی ہو۔ اور اپنا رشتہ مسجد کے کسی ستون اور کسی کے دسترخوان تک محدود کیا ہو۔ صحابہ کرام کی عظمت تو اس میں تھی کہ انہوں نے ایک مجاہدانہ زندگی گزاری اور حجاز کے سنگلاخ پہاڑوں سے نکل کر افریقہ کے بیابانوں کو اسلام کی برکات سے سرفراز کیا۔ اور مشقت اور محنت، بھوک و پیاس، غربت و افلاس اور غریب الوطنی کو اسلام کی سربلندی کیلئے قبول کیا۔ اس کے باوجود وہ ولایت کے اس درجے پر فائز ہیں۔ جس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکا۔ جس کی خواہش پر قرآن نازل ہو، جن کے تابع دریا، جنگلی درندے اور حیوانات ہوں، جن کے قدم رکھتے ہی رواں دواں دریا جم جائے چشم فلک نے ان سے برگزیدہ شخصیات اور مستجاب الدعوات لوگ نہیں دیکھے۔

بدقسمتی سے برصغیر میں بسنے والے لوگوں کا مزاج، ہندووانہ رسم و رواج اور تہذیب سے شدید متاثر ہے۔ ہمارے نزدیک نیکی اور بزرگی کے پیمانے مختلف ہیں۔ وہ لوگ نہایت مقدس اور واجب الاحترام ہیں۔ جو خرق عادت امور میں حصہ لیتے ہیں۔ جو روایات سے ہٹ کر زندگی بسر کریں، جسمانی ریاضت اور مشقت سے اپنے آپ کو نحیف کر لیں، دنیا سے فرار حاصل کریں۔ حقیقت پسندانہ زندگی سے جی چرائیں، خلوت اور تنہائی میں بیٹھ کر وقت گزاریں۔ سادھو اور بھکشوں کی طرح رہے، وہ ہمارے نزدیک بڑا معتبر ہوتا ہے اور تصوف کی زبان میں وہ ''بابا'' کی مسند پر فائز ہو جاتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ برصغیر میں ایسے سینکڑوں ''بابے'' پائے جاتے ہیں جن کی حقیقی زندگی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی تعلیمات کے منافی اپنی من پسند زندگی گزارتے ہیں۔ یہ سلسلہ پاکستان تک محدود نہیں ہے، یہاں کی سرزمین تو خیر سے بہت زرخیز ہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں روزانہ ایسے ''بابے'' جنم لیتے ہیں اور ایسی داستانیں چھوڑ کر غائب ہوتے ہیں کہ وابستہ لوگ اپنی عزت و ناموس کی خاطر حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ لیکن اب یہ سلسلہ دراز ہو رہا ہے۔ آج سے بیس پچیس سال قبل مدینہ منورہ میں بھی ایک ''بابا بلیوں والا'' معروف ہوا تھا۔ غالباً ان کا تعلق جنوبی پنجاب سے تھا۔ اپنی حقیقی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کیا اور مسجد نبوی کے مشرق میں وقت گزارنے لگا لوگ یہ سمجھ کر کہ مسافر اور غریب الوطن ہے کھانا دے جاتے، سیر ہونے کے بعد جو بچتا بلیوں کو ڈال دیتا۔ چونکہ اس کے گرد ہمہ وقت بلیاں موجود رہتیں، لہٰذا بلیوں والی سرکار مشہور ہو گیا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ بیگم ضیاء الحق جو ان دنوں کثرت سے مدینہ منورہ جاتی تھیں ان کے پاس بطور خاص حاضر ہوتیں۔ اخبارات کے ذریعے یہ بات جب اہل پاکستان کو معلوم ہوئی تو پھر کیا تھا، حرم نبوی، روضۃ الجنۃ سے بڑھ کر بابا بلیوں والا ہو گیا۔ لوگ دن بھر اس بات کے منتظر رہتے کہ کب وہ سرکار نظر آئے، تا کہ اس کی قدم بوسی کریں، حرم نبوی کی نمازیں، تلاوت، ذکر و اذکار، درود و سلام سب ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور بابے کے وارے نیارے ہو گئے بھلا ہو مسجد نبوی کے ذمہ داران کا جب ان تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس بابے کو چلتا کیا۔

اب ایک نئے ''بابے'' کا انکشاف معروف کالم نگار، عرفان صدیقی نے ''بام حرم کا کبوتر'' کے عنوان سے کیا ہے۔ اور اس کی مکمل تفصیل بیان کر دی ہے اور اس کے شب و روز کی مصروفیات سے آگاہ کیا۔ اس کی نجی زندگی اور مجرد ہونے کا بھی انکشاف کیا ہے۔ نیکی، پاکیزگی، طہارت، زہد و تقویٰ اور عبادت میں مستغرق ہونا یقیناً بڑی خوبی ہے، لیکن یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ اس کا صحیح پیمانہ نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی ہے آپ سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی اسوہ حسنہ نہیں ہے۔ بابا عبدالمجید کا شمار بھی ان بزرگوں میں ہوتا ہے جو حقیقی زندگی سے نظریں چراتے ہیں۔ ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور چلہ کشی اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہمیں بابا جی کی نجی زندگی اور طرز عمل پر ذرا بھی اعتراض نہیں۔ وہ با اختیار ہیں اور بقول صدیقی صاحب انہوں نے دینی علوم کی منزلیں طے کی ہیں وہ بہتر جانتے ہیں کہ ان کا اسلوب زندگی پیغمبر اسلام کی زندگی سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اس انکشاف کے بعد ان پاکستانیوں کا راستہ کون روکے گا جو عمرہ کیلئے احرام تو باندھیں گے لیکن ادائیگی سے قبل بابا عبدالمجید کے چوکھٹ پر جائیں گے۔ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کعبہ سے قبل اس ریستوران کے چکر کاٹیں گے جہاں سے بابا جی روزانہ جسمانی غذا لاتے ہیں شاید عرفان صدیقی صاحب اس کالم کے مضمرات سے آگاہ نہیں ہیں۔ ہماری قوم عقائد میں وہ رسوخ اور پختگی حاصل نہیں کر پائی جس کا تقاضا اسلام نے کیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ خود بابا جی کے فیوض و برکات تو سمیٹ لیتے، روحانی اور باطنی راحت کو اپنے تک محدود رکھتے لیکن انہوں نے یہ کالم لکھ کر ستم کیا، ایک تو بابا جی کیلئے مشکلات پیدا کیں۔ وہ آدمی جو شہرت اور ناموری سے کوسوں دور تھا سفید پوش تھا۔ حرم اور پاکستانی ریستوران کے درمیان اس کا راز قائم تھا جس کو فاش کر کے بابا جی کو شرمندہ کیا۔

بابا جی! اگر یہی لگن، اور صدق دل سے اس راہ کے مسافر ہیں تو انہیں اب اپنا مقام بدلنا ہو گا تا کہ ریاکاری کی تہمت سے بچ سکیں۔ آخر میں ہم اپنی قوم سے درخواست کرتے ہیں کہ بلاشبہ کوئی بھی شخص اعلیٰ درجے کا مسلمان اور نیکی کا پیکر ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ایک مسلمان کیلئے نمونہ اور معیار ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ ہیں۔ آپ کا دیا ہوا اسوہ حسنہ ہی قابل تقلید ہے۔ لہٰذا حرم مکہ کی فضا میں پہنچ کر اللہ کے گھر سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔ اور قربت الٰہی کا بہترین ذریعہ اتباع رسول اللہ ﷺ ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ